Al-Qalam القلم
p-ISSN: 2071-8683, e-ISSN: 2707-0077
Volume:27, Issue:1, 2022, pp. 157-175

حدیث کی تشریحی حیثیت میں امام طحاوی کا اسلوب

Imam Tahawi's style of commentary on the Hadith

Dr. Hafiz Farhan Arshad
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
GIFT University, Gujranwala.
Email: Farhan.arashad@gift.edu.pk

KEYWORDS
QURAN, HADITH, SUNNAH, Sharia, Interpret, Imam Tahawi

Date of Publication: 26-06-2022

ABSTRACT

The Qur'an and the Hadith are closely related. The Qur'an is the Book of Allah and the Messenger of Allah. This is the position of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) in which no one of the Ummah can associate with him (because he is the Messenger of Allah). There is no one other than the one who has the revelation. The interpretation you have given is as obligatory as the command of the Qur'an and it is obligatory for every Muslim to follow it. The nature of the teachings of the Qur'an in the matter of religion and sharia is of principle. When the Sunnah of the Prophet is included with the Quran. For this reason, they believe that the Prophet (pbuh) himself has the highest right to interpret and interpret the Qur'an, so his commentary has no value other than his own. The Sunnah of the Messenger of Allah is in fact the interpretation of the Divine Book. The words which are hidden in the summaries and allusions of the Holy Quran, the Holy Prophet (PBUH) has made these things clear. For this reason, after the Book of Allah, which has been instructed to refer to the Sunnah of the Messenger of Allah, this book has been directed to refer to the explanation of Allah which is correctly related to the Prophet. And is movable. Obviously, no one has the right to interpret the Qur'an more than the Prophet and no one else's interpretation can be acceptable in comparison to the explanation of the Prophet. Imam Tahawi has described this interpretive status of the Sunnah in a very brilliant way with examples.

تعارف(Introduction)

قرآن اور حدیث کا آپس میں گہرا تعلق ہے قرآن مجید اللہ تعالی کی کتاب ہے اور رسول اللہ (ﷺ) اس کتاب کے سیکھانے والے ہیں قرآن اللہ کا کلام ہے اور نبی مہربان اس کی تشریح فرماتے ہیں قرآن ایک آئین اور دستور ہے اور رسول اکرم (ﷺ) اس کی مستند اور معتبر تشریح و تعبیر کرنے والے ہیں۔ رسول کریم (ﷺ) کا یہی منصبِ رسالت ہے جس میں اُمت کا کوئی شخص بھی آپ (ﷺ) کا ہر گز شریک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے سوا کوئی دوسرا فرد صاحبِ وحی نہیں ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے قرآن مجید کی جو تشریح و تعبیر بیان فرمائی ہے اس میں کسی خطا اور غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ آپ (ﷺ) گناھوں سے پاک اور معصوم عن الخطا ہیں۔ آپ کی بیان کردہ تشریح بھی قرآن کے حکم کی طرح واجب الاطاعت ہے اور اس کی پیروی ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ مسند احمد کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنھا) سے پوچھا کہ "اے ام المومنین! مجھے رسول اللہ (ﷺ) کے اخلاق وعادات کے بارے میں کچھ بتایئے؟ اس پر انھوں نے فرمایا: "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) کے اخلاق تو بس قرآن ہی ہیں"۔[1]

موضوع کی ضرورت واہمیت(Significance of the topic)

سنت کی تشریحی حیثیت کے حوالے سے مولانا اصلاحی نے علمائے سلف ہی کے طریقے پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ دین و شریعت کے باب میں قرآن مجید کے ارشادات کی نوعیت اصول کی ہے۔ جہاں تک فروع اور توضیحات و تفصیلات کا تعلق ہے تو وہ نبی (ﷺ) کی سنت میں محصور ہیں۔ چنانچہ دین اپنی کامل صورت میں اسی وقت سامنے آتا ہے جب سنت نبوی کو قرآن مجید کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کی شرح و تفسیر کا حق سب سے بڑھ کر خود نبی (ﷺ) کو حاصل ہے، لہٰذا آپ کی تفسیر کے مقابلے میں کسی اور کی تفسیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لکھتے ہیں: "سنت رسول اللہ درحقیقت کتاب الٰہی کی تشریح و تفسیر ہے۔ جو باتیں قرآن مجید کے اجمالات و اشارات کے اندر چھپی ہوئی ہیں، نبی کریم (ﷺ) نے انھی باتوں کو واضح فرما دیا ہے۔ اس وجہ سے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کی جو ہدایت کی گئی ہے، تو یہ کتاب اللہ ہی کی اس توضیح و تشریح کی طرف رجوع

کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو صحیح طریقہ سے نبی (ﷺ) سے ماثور و منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی توضیح و تشریح کرنے کا حق نبی (ﷺ) سے زیادہ نہ کسی کو ہو سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی توضیح و تشریح نبی (ﷺ) کی توضیح و تشریح کے مقابل میں لائق قبول ہو سکتی ہے۔"[2]

حدیث کی تشریحی اور تشریعی حیثیت میں فرق:

پہلے ہم حدیث کی تشریحی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے ایک مثال پیش کریں گے پھر حدیث کی تشریعی حیثیت کی وضاحت مثال سے پیش کریں گے۔ قرآن کہتا ہے دینِ اسلام انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے اسلام ہر انسان کے ضمیر کی آواز ہے چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ [3] تو ہر باطل سے الگ ہو کر اپنا چہرہ اللہ کی اطاعت کیلئے سیدھا رکھو۔ (یہ) اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت (ہے) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کے بنائے ہوئے میں تبدیلی نہ کرنا۔ یہی سیدھا دین ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ قرآنی آیت کی اس حقیقت کی تشریح درج ذیل حدیث کچھ اس طرح کرتی ہے کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین بعض اوقات اپنے بچے کو اپنے غلط مذھب کی طرف لے جاتے ہیں چنانچہ حدیثِ نبوی ہے کہ: **أن أبا هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه، وينصرانه، أو يمجسانه، كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء ثم يقول أبو هريرة رضي الله عنه: {فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم}**[4] حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور بچے دیتا ہے کیا تم دیکھتے ہو کوئی عضو اس کا کٹا ہوا؟ پھر ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) اس آیت کی تلاوت کرتے اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کے دین میں تبدیلی نہیں ہے یہ ہی سیدھا دین ہے۔

اب یہ حدیث قرآنی آیت کی تشریح و تعبیر کتنے جامع انداز میں کر رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ دینِ فطرت "اسلام" ہی ہے اور اسی پر ہر بچے کی ولادت ہوتی ہے لیکن جب وہی بچہ بچپن سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اس کے والدین اس کو اپنے دین کی طرف لے جاتے ہیں اور اپنے دین کے عقائد اس کے ذہن میں ڈال دیتے ہیں

جس کی وجہ سے وہ بچہ بڑا ہو کر انہی عقائد پر عمل کرنا شروع ہو جاتا ہے اور وہ دینِ فطرت سے بہت زیادہ دور چلا جاتا ہے اور اپنے عقائد میں ایسی راسخ العقیدگی حاصل کر لیتا ہے کہ پھر وہ کسی دوسرے دین والوں کی بات ماننا تو در کنار، اسے سننا بھی پسند نہیں کرتا، لہذا وہ دینِ فطرت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے باطل دین میں ہی ساری زندگی گزار دیتا ہے، لیکن جس خوش نصیب کے حق میں دینِ فطرت میں شامل ہونا لکھا جا چکا ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی ذریعے سے دینِ فطرت میں داخل ہو ہی جاتا ہے۔

حدیث کی تشریعی حیثیت:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى[5] اور اگر تم بیمار ہو۔ آیت کے اس حصے میں وہ چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہوتا ہے ان میں سے ایک چیز "مرض" بھی ہے لیکن اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ یہاں کونسا مرض مراد ہے؟ بلکہ یہ ایک حدیث سے ثابت ہو رہا ہے، چنانچہ

عن ابن عباس [وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى] قال: هو المجدور و صاحب القرحة فی سبیل الله اذا خاف ان هو اغتسل بالماء ان یموت تیمم [6]حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس مریض سے مراد وہ آدمی ہے جو اللہ کی راہ میں ہو، اس حال میں کہ وہ چیچک زدہ ہو اور اس کے جسم میں دُنبل (پھوڑا) ہو جس کے اندر پیپ جمع ہو، جب ان کو اس بات کا خوف ہو کہ پانی سے اپنے اعضاء کو دھوئیں گے تو مر جائیں گے، اس وقت وہ تیمم کر سکتے ہیں۔

امام طحاوی کا نقطہ نظر: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہاں مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کہ پانی کے استعمال سے موت کا خوف ہو۔ اسی طرح قرآن میں ایک دوسرے مقام پر مریض کو روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا فرمائی ہے (وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ) تو اس آیت میں مرض سے مراد "موت کا خوف" والا مرض ہے اور اس کے ساتھ روزے کا ذکر ہے۔ اسی آیتِ تیمم میں مرض سے مراد بھی وہی مرض ہے جس سے مرنے کا خوف ہے حالانکہ اس آیت میں وضو کا بھی ذکر ہے۔ یہ امام مالک، امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔[7]

اس کے علاوہ حدیث کی تشریحی حیثیت کو قرآن کی درج ذیل آیت اور اس کی تفسیر سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے چناچہ ارشادِ باری تعالی ہے: بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ[8] (ہم نے) روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ (رسولوں کو بھیجا) اور اے حبیب! ہم نے تمہاری طرف یہ

قرآن نازل فرمایا تاکہ تم لوگوں سے وہ بیان کردو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اس آیت کے تحت تفسیر **تفہیم القرآن** میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں: تشریح و توضیح صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی، اور اپنی رہنمائی میں ایک پوری مسلم سوسائٹی کی تشکیل کرکے بھی، اور ذکر الٰہی کے منشاء کے مطابق اس کے نظام کو چلا کر بھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔ ''ذکر'' فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جاسکتا تھا۔ براہ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا۔ مگر محض ذکر بھیج دینے سے وہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت اور ربوبیت اس کی تنزیل کی متقاضی تھی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ اس ذک کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔ وہ اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اس کا مطلب سمجھائے۔ جنہیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کرے، جنہیں کوئی اعتراض ہو ان کے اعتراض کا جواب دے۔ جو نہ مانیں اور مخالفت اور مزاحمت کریں ان کے مقابلہ میں وہ اس طرح کا رویہ برت کر دکھائے جو اس ذکر کے حاملین کی شان کے شایاں ہے۔ جو مان لیں انہیں زندگی کی ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے۔ ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے، اور ان کو انفرادی و اجتماعی تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا پورا اجتماعی نظام ذکر کے منشاء کی شرح ہو۔

یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لیے قاطع تھی جو خدا کا ذکر بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے اسی طرح آج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کے لیے بھی قاطع ہے جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف ذکر کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تشریح و توضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کر دیا تھا، یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے نہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریح، یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لیے صرف ذکر کافی ہے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں، یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے، غرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں، ان کا مسلک بہر حال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔

اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس منشاء ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہ راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا تھا۔ اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ اپنا ذکر ایک نبی کے ذریعہ سے بھیجا۔ کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ذکر کے مطبوعہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا تھا۔ اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لیے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے منشاء کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں۔

پہلا نتیجہ یہ ہے کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ختم ہو گئی اور ہمارا تعلق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ صرف ان طرح کا رہ گیا جیسا ہود اور صالح اور شعیب (علیہم السلام) کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں یہ چیز نئی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کر دیتی ہے، صرف ایک بیوقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لیے ناکافی ہے، اس لیے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے۔ قاتلھم اللہ، اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعے سے دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔[9]

مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں لیکن وہ اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے اسی لیے تو وہ تشریح احادیث میں محفوظ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، اگر وہ تشریح درست نہ ہوتی تو اس کو محفوظ بھی نہ کیا جاتا کیونکہ قرآن بھی تو اسی حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے جس حدیث کے ذریعے نبی پاک (ﷺ) کے فرامین ہم تک پہنچے ہیں، لہذا قرآن کی تشریح اسی

صورت میں مکمل ہو سکتی ہے جب کہ حدیث کے ذریعے اس کو سمجھا جائے ورنہ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق قرآن کی تشریح کرتا رہے گا اور قرآن کا مفہوم یکسر بدل جائے گا۔

امام طحاوی کے نزدیک حدیث کی تشریحی حیثیت: امام طحاوی احکام القرآن کے مقدمہ میں حدیث کی تشریحی حیثیت کو کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں "اللہ نے اپنے نبی محمد مصطفی ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن میں فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ[10] وہ ذات وہ ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے (یعنی وہ کئی معانی رکھنے والی ہیں)۔ اللہ تعالی نے ہمیں اس بات کا علم عطا فرمایا کہ کتاب اللہ کی کچھ آیات محکم ہیں یعنی واضح اور صاف معنی رکھنے والی ہیں اور اُنھی آیات کے بارے میں اللہ تعالی نے ہمیں تاویل کرنے کی حکمت سکھائی کیونکہ وہی کتاب اللہ کی اصل ہیں اور کتاب اللہ کی بعض آیات متشابہ ہیں یعنی ان میں بہت سارے معانی کا احتمال ہے اللہ نے ان متشابہ آیات کا معانی و مفہوم طلب کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے: فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ[11] تو وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ (لوگوں میں) فتنہ پھیلانے کی غرض سے اور ان آیات کا (غلط) معنیٰ تلاش کرنے کے لئے ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ کیونکہ (ہم نے) متشابہ آیات کا حکم اُن محکم آیات سے حاصل کرنا ہے جن کو اللہ نے کتاب اللہ کی اساس اور بنیاد قرار دیا ہے۔ پھر کتاب اللہ کے احکام میں ایسے احکام بھی ہیں جن کو اللہ نے نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے جاری فرمایا ہے تاکہ نبی پاک ﷺ کی احادیث کے ذریعے متشابہ آیات کی تشریح ہو سکے اور اللہ نے نبی پاک ﷺ کے اقوال کو اُسی طرح قبول کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح قرآن مجید کو قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[12] جو کچھ تمہیں رسول دیدے اس کو لے لیا کرو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جایا کرو وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ[13] اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ[14] اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان کے ساتھ ہی بھیجا تاکہ وہ انہیں واضح کر کے بتا دے۔

ان آیات کی روسے ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمیں ہر اُس چیز کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے جو رسول اکرم ﷺ ہمیں عطا فرمائیں جیسا کہ قرآن کے احکام کو قبول کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے (15)۔ اس سلسلے میں ایک بہت ہی اہم حدیثِ مبارکہ ہے جس سے مکمل وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اقوال وافعالِ رسول کے بغیر دین کا ڈھانچہ کھڑا ہی نہیں رہ سکتا، چنانچہ فرمانِ رسول ﷺ ہے: **عن المقدام بن معد يكرب الكندي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " يوشك الرجل متكئا على أريكته، يحدث بحديث من حديثي، فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله عز وجل، فما وجدنا فيه من حلال استحللناه، وما وجدنا فيه من حرام حرمناه، ألا وإن ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل ما حرم الله "**[16] حضرت مقدام بن معد یکرب الکندي سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: عنقریب ایک شخص آئے گا وہ اپنے تخت پر ٹیک لگا کے بیٹھا ہو گا اس کے سامنے میری حدیث بیان کی جائے گی اور وہ جواب میں کہے گا، ہمارے اور تمھارے درمیان کتاب اللہ کافی ہے اس میں جو اشیاء ہم حلال پائیں گے وہی حلال سمجھیں گے اور جو حرام پائیں گے اُسے ہی حرام جانیں گے، (نبی پاک نے فرمایا) خبر دار! اور بیشک اللہ کے رسول نے جو حرام کیا ہے وہ بھی اللہ کے حرام کردہ کی طرح ہے۔

ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے وضاحت فرمائی: **عن المقدام بن معدي كرب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: «ألا إني أوتيت الكتاب، ومثله معه ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، ألا لا يحل لكم لحم الحمار الأهلي، ولا كل ذي ناب من السبع، ولا لقطة معاهد، إلا أن يستغني عنها صاحبها، ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قرأه**[17] حضرت مقدام بن معدی کرب (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم (ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو بیشک مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی دی گئی ہے خبر دار قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا کہے گا کہ تمہارے ذمہ قرآن کو پکڑنا لازم ہے پس تم اس میں جو حلال پاؤ تو اسے حلال سمجھو اور جو اس میں تم حرام پاؤ تو اسے حرام سمجھو خبر دار تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی ہر وہ جانور درندوں میں سے چیرنے پھاڑنے والے ہوں اور نہ ہی کسی ذمی کی گری پڑی چیز جائز ہے الآیہ کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان بن کر اترے تو اس قوم والوں پر اس کی میزبانی کرنا ضروری ہے اور اگر وہ میزبانی نہیں کریں گے تو مہمان کے لئے اپنی میزبانی کے بقدر ان سے

جبر اًلینا جائز ہے (یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا اب نہیں ہے)۔ چونکہ ہم نے امام طحاوی کی کتاب "احکام القرآن" سے حدیث کی تشریحی حیثیت کو واضح کرنا ہے لہذا اب احکام القرآن سے حدیث کی تشریحی حیثیت کو امثلہ کے ذریعے ثابت کرتے ہیں:

مثال نمبر 1: فَامۡسَحُوا بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُمۡ مِنۡهُ[18] تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔ آیت کے اس حصے سے تیمم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان پانی پر قادر نہ ہو تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے۔ یہاں پر دو چیزیں بیان کی گئیں ہیں 1: منہ کا مسح کرنا، 2: دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا۔ اب آیتِ قرآنی کے اس حصے کی تشریح حدیثِ پاک سے کی جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے:

عن عمار، قال: تمسحنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتراب , فمسحنا وجوهنا و أيدينا إلى المناكب[19] حضرت عمار سے روایت ہے آپ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کی ہمراہی میں مٹی کے تیمم کیا پس ہم نے اپنے چہروں کا مسح کیا اور ہاتھوں کا کندھوں تک مسح کیا۔

خلاصہ: اس حدیث کے ذریعے قرآنی حکمِ تیمم کی تشریح نہایت جامع انداز سے بیان کی جا رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ تیمم کیسے کیا جائے اور یہاں حدیث کا مقصد بھی قرآنی آیت کی تشریح کرنا ہے اور امام طحاوی نے بھی اسی غرض سے اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے کہ قرآنی حکم کی تشریح حدیثِ پاک سے کی جا سکے اور قرآنی حکم جو کہ خود محکم ہے، اس کی مزید تفصیل حدیثِ پاک کے ذریعے بیان کی جائے۔ اس کے علاوہ حدیث کی تشریح اس لیے بھی ضروری ہے کہ قرآن میں تو صرف حکم بیان ہوتا ہے مگر حدیث میں اس حکم کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے اور صحابہ کے سامنے نبی پاک (ﷺ) نے وہ عمل کر کے دکھایا ہے تاکہ کسی بھی صحابی کو اور ان کے بعد میں آنے والی پوری امت کو کسی بھی قسم کا شائبہ نہ رہے اور قرآنی حکم ہر ایک تک بالکل وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پہنچ جائے۔

مثال نمبر 2: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ[20] بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب صاف ستھرے رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اس آیت میں مومنین کی دو خصوصیات کا ذکر ہے ایک: توبہ کرنا، دوسری: طہارت حاصل کرنا۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ مومنین کی دوسری خصوصیت میں تاویل کی ضرورت ہے کہ طہارت سے یہاں کیا مراد ہے؟([21]) اب ہم اس آیت کی تاویل اور تشریح کے لیے احادیث کو ذکر کرتے ہیں: **عن عطاء قوله:" إن الله يحب التوابين"، قال: التوابين من الذنوب**

=" **ويحب المتطهرين" = قال: المتطهرين بالماء للصلاة.**[22] حضرت عطا سے روایت ہے آپ نے قرآن کی اس آیت(اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّـوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: کہ تائبین سے مراد" گناھوں سے توبہ کرنے والے ہیں" اور متطھرین سے مراد" پانی کے ساتھ پاکی حاصل کرنے والے ہیں"۔**عن أبي العالية، في قوله: {يحب التوابين ويحب المتطهرين} قال: " من الذنوب "**[23] حضرت ابو العالیہ سے روایت ہے آپ نے قرآن کی اس آیت(اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَھِّرِیۡنَ) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اس سے مراد گناھوں سے طہارت حاصل کرنا ہے۔امام طحاوی فرماتے ہیں: پہلی حدیث میں طہارت سے مراد" پانی کے ذریعے طہارت حاصل کرنا ہے" جب کہ دوسری حدیث میں طہارت سے مراد" گناھوں سے طہارت حاصل کرنا ہے"۔[24]

امام طحاوی کا نقطہ نظر: جب علماء کا طہارت کی تشریح میں اختلاف ہو گیا ہے تو اب ہمارے پاس ایسی دلیل ہونی چاہیے کہ جو کسی ایک تاویل کے زیادہ موافق ہو۔اس سلسلے میں ہم قرآن ہی سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا: فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَھَّرُوۡا [25] ترجمہ: اس مسجد میں وہ لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں بھی طہارت کا ذکر ہے لیکن معلوم نہیں کہ طہارت سے مراد کیا ہے ؟لہذا احادیث کی مدد سے یہاں مذکور طہارت کی تشریح بیان کی جاتی ہے ، اور وہ حدیث یہ ہے : حضرت عبد اللہ بن الحارث سے روایت ہے بیشک اھل قباء نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انھوں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں پانی کے ذریعے استنجاء کرنے کا ذکر کیا، تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی نے تمھاری تعریف بیان فرمائی ہے پس تم ہمیشہ اسی طہارت پر قائم رہو،(پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی)فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَھَّرُوۡا ۔[26]

امام طحاوی ایک اور حدیث اس موقع پر بیان فرماتے ہیں: **عن محمد بن عبد الله بن سلام، قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا، يعني قباء، قال: «إن الله عزوجل قد أثنى عليكم في الطهور خيرا،أفلا تخبروني؟»قال:يعني قوله:{فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين}قال:فقالوا: يا رسول الله إنا نجده مكتوبا علينا في التوراة: الاستنجاء بالماء** ۔[27] حضرت محمد بن عبد اللہ بن سلام سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ(اھل قباء کے پاس) آئے تو فرمایا: بیشک اللہ نے اس آیت(فيه رجال يحبون أن يتطهروا) تمھاری بہترین پاکیزگی کی تعریف بیان فرمائی ہے، کیا تم

مجھے اس پاکیزگی کے بارے میں نہیں بتاؤ گے ؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہمیں تورات میں پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے متعلق امام طحاوی کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہاں پر اس آیت (اِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ) میں وہی طہارت مراد ہے جو قرآن کی اس آیت (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا) میں حدیث کے ذریعے سے بیان کی گئی ہے یعنی طہارت سے مراد پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنا ہے۔[28]

خلاصہ: اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت (**اِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ**) میں حدیثِ عطاء کی تشریح کے مطابق طہارت سے "طہارت بالماء" مراد لیا گیا ہے اور سورۃ التوبہ کی آیت (**فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا**) سے بھی طہارت سے مراد وہی "طہارت بالماء" ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ پہلی آیت کی تشریح میں دو مختلف تاویلیں بیان کہ گئیں ہیں لیکن زیادہ بہتر اور جامع تاویل "طہارت بالماء" ہے، کیونکہ قرآن کی وہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے جو تشریح قرآن کی قرآن سے ہو اور اگر حدیث بھی قرآن کے موافق تشریح بیان کرے تو قرآنی آیت کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ تو اب قرآن اور حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ قرآنی آیت جس میں مومنین کی ایک صفت "طہارت" کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد ایسی طہارت ہے جو پانی کے ذریعے حاصل کی جائے، کیونکہ پانی کے ذریعے طہارت حاصل کرنے میں نجاست بھی مکمل طور پر دور ہوتی ہے اور طہارت بھی کامل طریقے سے حاصل ہوتی ہے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کو بھی نہایت پسندیدہ ہے۔

مثال نمبر 3: **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى**[29] اور (اے مسلمانو!) تم ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ اہل علم کا "مقام ابراہیم" کی تعیین کے بارے میں اختلاف ہے لہذا احادیث سے اس کی تشریح بیان کی جاتی ہے: **عن مجاهد في قوله:"واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى" قال، مقامه: جمع وعرفة ومنى۔**[30] حضرت مجاہد سے روایت ہے آپ اس آیت (**وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى**) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مقام ابراہیم سے مراد مزدلفہ، عرفات اور منیٰ کے، مقامات ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد مزدلفہ، عرفات اور منیٰ کے، مقامات ہیں۔ لیکن دوسرے علماء نے اس تشریح و تعبیر سے اختلاف کیا ہے اور دیگر احادیث کی روشنی میں دوسری تشریح بھی بیان فرمائی ہے۔

چنانچہ عن أنس، أن عمر قال: " يا رسول الله لو صلينا خلف المقام، فنزلت {واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى}[31] حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اگر ہم مقام(ابراھیم) کے پیچھے (والی جگہ پر) نماز پڑھیں (تو آپ اس کے بارے کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں) پس اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرما دی (واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى)۔اس حدیث سے بالکل وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ مقامِ ابراھیم سے مراد مزدلفہ، عرفات اور منی کے، مقامات نہیں ہیں بلکہ خانہ کعبہ میں موجود مقامِ ابراھیم والی خاص جگہ مراد ہے۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ سے بھی ایک روایت ملتی ہے: عن جابر بن عبد الله، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ذهب بعد طوافه لحجته الى المقام فقرأ {واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى}فجعل المقام بينه وبين البيت ، [32] حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے حج کا طواف کرنے کے بعد مقام (ابراھیم) کے قریب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہ آیت (واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى) تلاوت فرمائی اور مقامِ ابراھیم اور خانہ کعبہ کے درمیان وہ مقام مقرر فرمایا(جہاں نماز ادا کرنی ہے)۔

امام طحاوی کا نقطہ نظر: اس حدیث سے بالکل واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حدیثِ انس کی اصل مراد وہی روایت ہے جو حضرت حماد کی سند سے لی گئی ہے جب کہ حضرت سہمی سے روایت کردہ حدیث مراد نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ابہام موجود ہے۔[33]

خلاصہ: اس بحث سے ثابت ہوا کہ مقام ابراھیم سے مراد وہی جگہ ہے جو کہ بیت اللہ شریف میں مطاف کے اندر حضرت ابراھیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور وہ جگہ یہاں پر مراد نہیں ہے کہ جو حضرت مجاہد کی روایت سے ثابت ہو رہی ہے کہ مقام ابراھیم سے مراد " عرفات اور مزدلفہ " کے مقامات ہیں کیونکہ حدیثِ انس سے بالکل واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ مقام ابراھیم سے مراد مطاف والی جگہ ہے لیکن اس میں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت انس سے روایت کردہ حدیث سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت مجاہد سے روایت کردہ حدیث سے عرفات اور مزدلفہ کے مقامات ثابت ہو رہے ہیں؟ اس کا جواب اس طرح دیا جائے گا کہ جب دونوں حدیثوں میں تعارض آ گیا ہے تو ہم ان کے علاوہ کسی ایسی حدیث کی طرف رجوع کریں گے جو ان میں سے کسی ایک قول کی تائید کر کے اُس کو راجح قرار دے سکے تو پھر ہم نے حضرت جابر کی روایت کو دیکھا کہ جس میں بالکل واضح الفاظ سے بیان کیا گیا ہے کہ مقام ابراھیم سے مراف وہی جگہ ہے جو بیت اللہ میں مطاف کے اندر موجود ہے۔ اب یہ

مسئلہ بالکل واضح طور پر سامنے آگیا کہ حدیثِ انس میں بیان کردہ مقامِ ابراھیم کی تشریح و تعبیر درست ہے کیونکہ اس کی تائید حدیثِ جابر سے ہو گئی ہے۔

مثال نمبر 4: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [34] اے ایمان والو، ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ نے کیفیتِ صلاۃ یعنی درود کو بیان نہیں فرمایا جب کہ اس کی تشریح ہمیں احادیث سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

عن ابن أبي ليلى، عن كعب بن عجرة رضي الله عنه، قيل: يا رسول الله، أما السلام عليك فقد عرفناه، فكيف الصلاة عليك؟ قال: " قولوا: اللهم صل على محمد، وعلى آل محمد، كما صليت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد اللهم بارك على محمد، وعلى آل محمد، كما باركت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد "[35] حضرت ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: حضرت کعب بن عجرۃ سے میری ملاقات ہوئی انھوں نے فرمایا: کیا میں تمھیں کوئی تحفہ نہ دوں؟ پھر خود ہی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم کو یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ ﷺ پر سلام کیسے بھیجا جائے، لیکن آپ ہمیں اس بات کی تعلیم دیں کہ ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجیں؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح درود پڑھا کرو: "اللهم صل على محمد، وعلى آل محمد، كما صليت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد اللهم بارك على محمد، وعلى آل محمد، كما باركت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد "

امام طحاوی کا نقطہ نظر: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "حضرت ابراھیم کی آل پر درود نازل ہو" لیکن ہمارے نزدیک یہ بات جائز نہیں ہے کہ آپ (علیہ السلام) خود اس درود میں شامل نہ ہوں، بلکہ وہ بھی اس درود کے تحت داخل ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ([36]) ترجمہ: حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو۔ اس آیت میں جیسا کہ فرعون کی آل (قوم) کو عذاب میں داخل کرنے کا حکم ہے اسی طرح فرعون کو بھی داخل کرنے کا حکم ہے، ایسی کوئی دلالت موجود نہیں ہے کہ فرعون اس عذاب سے خارج ہو۔[37]

خلاصہ: اس آیت میں درود کی کیفیت کو بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن اس کی مکمل تشریح ہمیں حدیث سے ملی ہے کہ نبی پاک ﷺ پر درود کیسے بھیجا جائے اور اس کا مکمل طریقہ بھی بتا دیا گیا اور وضاحت کی گئی کہ نبی پاک (ﷺ) پر درود بھیجتے ہوئے آپ (ﷺ) کی آل کا ذکر بھی درود میں کیا جائے گا تا کہ نبی پاک (ﷺ) کا ذکر بھی ہو جائے اور آپ (ﷺ) کی آل کا ذکر بھی ہو جائے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس طرح تو آلِ رسول پر ہی درود بھیجا جا رہا ہے، لیکن بالکل نہیں ہے بلکہ اس میں نبی پاک (ﷺ) پر درود بھیجا جا رہا ہے کیونکہ وہ بھی اس داخل ہیں

۔

مثال نمبر 5: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ‎ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى[38] بیشک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا، اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔ ان آیات کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث میں ان کی تشریح کے بارے میں دو مختلف اقوال بیان کیے گیے ہیں۔

علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ یہاں "تزکی میں زکوٰۃ" سے مراد "صدقۂ فطر" ہے اور ذکر اللہ سے مراد "نمازِ عید الفطر" ہے۔([39]) جیسا کہ حضرت ابو العالیہ الریاحی کی روایت سے واضح ہے: **عن أبي العالية، في قوله {قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى} قال: يبعث بصدقة الفطر ثم يخرج الى الصلاة** .([40]) حضرت ابو العالیہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان آیات (قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: وہ صدقہ فطر دیتے ہیں پھر نماز کی طرف نکلتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ "تزکی میں زکوٰۃ" سے مراد "صدقۂ فطر" ہے اور نماز سے مراد "نمازِ عید الفطر" ہے۔ دیگر علماء کرام کے نزدیک تزکی سے مراد "ایمان" ہے۔([41]) یہ حضرات بھی اپنے مؤقف کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور اس کی پوری وضاحت کرتے ہوئے قرآن کی آیت اور حدیث بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا [42] بیشک مراد کو پہنچایا جس نے اسے (نفس) کو پاک کر لیا۔ ان علماء کے نزدیک اس آیت میں "زَكّٰىهَا" سے مراد ایمان ہے اور نفس کی پاکی سے یہاں پر مراد ایمان ہی لیتے ہیں۔ دوسرے قول کا ثبوت بھی احادیث سے ملتا ہے، چنانچہ **عن أبي مالك في قوله (قد أفلح من تزكى) قال: آمن۔**[43] حضرت ابو مالک سے روایت ہے آپ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: آمن یعنی جو ایمان لایا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں "**تزکی**" سے مراد "ایمان" ہے جس کو حضرت عطاء سے روایت کیا گیا ہے۔ **عن عطاء رضي الله عنه قال: قد**

أفلح من تزكى قال: من آمن۔حضرت عطاء سے روایت ہے آپ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: آمن یعنی جو ایمان لایا۔

امام طحاوی کا نقطہ نظر: آیت مذکورہ میں تزکی سے ایمان مراد لینا بنسبت صدقہ فطر مراد لینے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر آیت میں مذکور تزکی سے مراد نمازِ عید اور صدقہ فطر ہو تا تو یہ دونوں احکام قرآن سے ثابت ہونے کی وجہ سے فرض یا مستحب ہوتے، حالانکہ یہ تو "سنت" ہیں اور قرآن سے ثابت ہونے والے فرض یا مستحب احکام کو "سنت" نہیں کہا جاتا بلکہ اقوالِ رسول یا افعالِ رسول کا نام سنت ہے۔[44] امام طحاوی ایک اور بڑا اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: جب ہم نے دیکھا کہ علماء صدقہ ٔفطر اور نمازِ فطر کے سنت ہونے کے بارے میں اختلاف نہیں کرتے تو علماء کا یہ اجماع اس بات کی بھی نفی کرتا ہے کہ آیت سے مراد صدقہ ٔفطر اور نمازِ فطر ہو۔[45]

خلاصہ: اس پوری بحث سے ثابت ہوا کہ آیت میں تزکی سے مراد ایمان بھی ہے اور صدقہ فطر بھی ہے کیونکہ یہاں پر دو اقوال مفسرین نے نقل کیے ہیں اور امام طحاوی نے جس جامع انداز میں اس قرآنی آیت کی تشریح، احادیث کی مدد سے ثابت کی ہے وہ نہایت عمدہ ترین تشریح ہے مگر اس کے بعد امام طحاوی نے قیاس کے ذریعے دونوں اقوال میں سے ایک قول کو راجح قرار دیا اور وہ "ایمان" والا قول مراد ہے۔ امام طحاوی نے نہایت عمدہ اور جامع انداز میں اس قول کو قیاس کے ذریعے ثابت کیا اور ایک بڑے اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن سے جو بات ثابت ہو، وہ فرض یا مستحب کے درجے میں ہوتی ہے، حالانکہ صدقہ فطر کو کوئی بھی مفسر اور مفتی فرض یا مستحب نہیں کہتا بلکہ سبھی علماء اس کو "سنت" کے درجے میں شمار کرتے ہیں کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے اور جو بات حدیث سے ثابت ہو اس کو "سنت" کہا جاتا ہے۔ لہذا یہ مسئلہ اسی نکتے پر اختتام کو پہنچا کہ تزکی سے مراد صدقہ فطر نہیں ہے بلکہ "ایمان" ہے کیونکہ ایمان لانا فرض کے درجے میں آتا ہے۔

امام طحاوی کے موقف کا خلاصہ:

ا۔ حدیث کے ذریعے قرآنی حکمِ تیمم کی تشریح نہایت جامع انداز سے بیان کی جارہی ہے اور بتایا جارہا ہے کہ تیمم کیسے کیا جائے اور یہاں حدیث کا مقصد بھی قرآنی آیت کی تشریح کرنا ہے اور امام طحاوی نے بھی اسی غرض سے اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے کہ قرآنی حکم کی تشریح حدیثِ پاک سے کی جاسکے اور قرآنی حکم جو کہ خود محکم ہے، اس کی مزید تفصیل حدیثِ پاک کے ذریعے بیان کی جائے۔

۲۔ جب بھی حکمِ الٰہی نازل ہو جائے تو اس کو بغیر کسی تردد کے مان لینا لازمی ہے، صرف اس کی وضاحت معلوم کی جا سکتی ہے لیکن اس کے خلاف کوئی دوسرا حکم طلب کرنا اور اپنی مرضی سے کوئی بات اس کے خلاف کہنا شریعت کو بالکل پسند نہیں ہے۔

۳۔ قرآن کی وہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے جو تشریح قرآن کی قرآن سے ہو اور اگر حدیث بھی قرآن کے موافق تشریح بیان کرے تو قرآنی آیت کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

۴۔ جس حدیث میں ابہام موجود ہو اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ اس حدیث پر عمل کیا جائے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام موجود نہ ہو۔

۵۔ نبی پاک (ﷺ) پر درود بھیجتے ہوئے آپ (ﷺ) کی آل کا ذکر بھی درود میں کیا جائے گا تا کہ نبی پاک (ﷺ) کا ذکر بھی ہو جائے اور آپ (ﷺ) کی آل کا ذکر بھی ہو جائے۔

۶۔ قرآن سے جو بات ثابت ہو، وہ "فرض یا مستحب" کے درجے میں ہوتی ہے اور جو بات حدیث سے ثابت ہو اس کو "سنت" کہا جاتا ہے۔

سفارشات:

شریعت اسلامیہ کا اول ماخذ قرآن ہے تو دوسرا حدیث ہے، اس لیے کہ کتاب اللہ کی بنیاد اصول اور قوانین پر ہے اور حدیث مبارکہ میں اس کی تشریح اور توضیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علماء کرام نے حدیث کی تشریحی حیثیت کی حجیت کو اپنے اپنے انداز میں کتب حدیث میں رقم کیا ہے۔ علامہ طحاوی نے بھی حدیث کی تشریحی حیثیت کو دلائل سے اور مثالوں سے مزین کیا ہے۔ اس بارے میں ہمیں دیگر علماء کرام کا نقطہ نگاہ کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنانا چاہیے۔ آج کے اس دور میں سکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں اس پر باقاعدہ سیمینار ہونے چاہیے تا کہ طلبہ وطالبات کا حدیث کی حجیت، اس کی تشریحی حیثیت میں نقطہ نگاہ واضح رہے۔

حدیث کی تشریحی حیثیت میں امام ابن قیم کا اسلوب — حدیث کی تشریحی حیثیت میں امام شافعی کا اسلوب

حدیث کی تشریحی حیثیت میں امام اشاطبی کا اسلوب — حدیث کی تشریحی حیثیت میں امام ابن حزم کا اسلوب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

[1] احمد بن حنبل، **مسند احمد**، باب: مسند الصدیقہ عائشہ بنت الصدیق، رقم الحدیث: 24601۔

Ahmad bin Hanbal, *Musnad Ahmad*, Musnad Aisha Bint Siddique, Hadith Number: 24601.

[2] اصلاحی، امین احسن، **اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1998ء)، 20۔

Islāhī, Ameen Ahsan, *Islami Riyāsat main Fiqhī Ikhtelāfāt kā* Hal (Lāhore: Fārān Foundation, 1998),20.

[3] الروم، 30:30۔

Al-Room, 30:30.

[4] بخاری، محمد بن اسمٰعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب: إذا أسلم الصبي فمات، هل يصلى عليه، وهل يعرض على الصبي الإسلام، رقم الحدیث: 1359۔

Bukhārī, Muhammad bin Ismāʿīl, *Al-Jāmiʿ Al-Sahīh*, Kitāb ul Janāiz, Hadith Number: 1359.

[5] المآئدہ، 6:5۔

Al-Māida, 5:6.

[6] الطحاوی، ابو جعفر، احمد، **احکام القرآن**، رقم الحدیث: 70۔

At-Tahāwī, Abū Jāfar, Ahmad, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 70.

[77] الطحاوی، ابو جعفر، احمد، **احکام القرآن**، 1/93۔

At-Tahāwī, Abū Jāfar, Ahmad, *AhkamulQurān*, 1:93.

[8] النحل، 44:16۔

Al-Nahal, 16:44.

[9] مودودی، ابوالاعلیٰ۔ تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2000ء)، 2/543۔

Mawdūdī, Abul A'la, *Tafheemul Qurān*, (Lāhore: Idara Tarjumanul Qurān, 1998 2000), 2:543.

[10] آل عمران، 7:3۔

Āl-Imrān,3:7.

[11] آل عمران، 7:3۔

Āl-Imrān,3:7.

[12] الحشر، 7:59۔

Āl-Hashr,59:7.

[13] النساء، 64:4۔

Al-Nisā,4:64

[14] ابرٰہیم، 4:14۔

Ibrahīm, 14:4.

[15] الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/59۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:59.

[16]ترمذي، محمد بن عیسیٰ، **سنن ترمذی**، کتاب أبواب العلم عن رسول اللہ (ﷺ) باب مانھی عنہ ان یقال عنہ حدیث النبی (ﷺ)، رقم الحدیث:2664۔

Tirmidhī, Muḥammad ibn ʿĪsā, *Sunan Tirmidhī*, Kitab Abwābul Ilm, Hadith Number:2664

[17]ابو داود، سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داوٗد**، کتاب السنۃ، باب: فی لزوم السنۃ، رقم الحدیث:4604۔

Abū Dawdood, Suleiman Ibn al-Ash'ath, *Sunan Abī Dawūd*, Kitāb ul Sunnah, Hadith Number: 4604.

[18]المآئدہ، 6:5۔

Al-Māida, 5:6.

[19]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:104۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 104.

[20]البقرۃ، 222:2۔

Al-Baqaḥraḥ, 2:222.

[21]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/130۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:130.

[22]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:177۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 177.

[23]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:178۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 178.

[24]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/130۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:130.

[25]التوبہ، 108:9۔

Al-Tauba, 9:108.

[26]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/131۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:131.

[27]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:181۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 181.

[28]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/131۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:131.

[29]البقرۃ، 125:2۔

Al-Baqaḥraḥ, 125:2.

[30]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:303۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 303.

[31]ترمذي، **سنن الترمذی**، کتاب ابواب تفسیر القرآن، رقم الحدیث:2959۔

Tirmidhī, *Sunan Tirmidhī*, Kitab Abwāb Tafseeril *Qurān*, Hadith Number: 2959.

[32]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:306۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 306.

[33]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:306۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 306.

[34]الاحزاب،56:33۔

Al-Ahzāb, 33:56.

[35]بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، باب: قول اللہ تعالیٰ: قولہ:(ان تبدوا شیئا۔۔۔شھیدا)، رقم الحدیث:4797۔

Bukhārī, *Al-Jāmiʿ Al-Sahīh*, Kitāb Tafseeril Qurān, Hadith Number: 4797.

[36]المؤمن،46:40۔

Al-Mu'min, 40:46.

[37]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/179۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:179.

[38]الاعلیٰ،14,15:87۔

Al-A'la, 87:14,15.

[39]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/242۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:242.

[40]الطحاوی، **احکام القرآن**، رقم الحدیث:472۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, Hadith Number: 472.

[41]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/242۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:242.

[42] الشمس، 9:91۔

Ash-Shams, 91:9.

[43]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/242۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:242.

[44]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/243۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:243.

[45]الطحاوی، **احکام القرآن**، 1/243۔

At-Tahāwī, *AhkamulQurān*, 1:243.